بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۲۸۶
سلسلہ

حدیثِ مدینہ

حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی

لوگوں نے مجھ سے فرمائش کی ہے کہ کچھ حجاز کی باتیں کرو، جو کچھ وہاں دیکھا ہے وہ ہمیں بھی دکھاؤ، مجھے یہ فرمائش بہ سر و چشم قبول ہے کہ ؎

ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے

مجھے وہ دن یاد نہیں جب مکہ اور مدینہ کا نام میرے لئے نیا تھا۔ اور وہ پہلا دن تھا، جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے پیدائش اور اسلام کے گہوارے، رسول ﷺ کے شہر دارالہجرۃ کے بارے میں کچھ سنا ہو۔

میں نے تمام مسلمان بچوں کی طرح ایک ایسے ماحول میں پرورش پائی جہاں حجاز اور ان دونوں متبرک شہروں کا تذکرہ ہوتا ہی رہتا ہے، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ لوگ تیزی میں اکثر "مکہ مدینہ" کہتے تھے، گویا وہ ایک ہی شہر کا نام ہے، وہ لوگ جب بھی ان میں سے کسی شہر کا ذکر کرتے تو دوسرے کا بھی ضرور کرتے، انہیں باتوں سے

میں یہ سمجھتا تھا کہ یہ دونوں ایک شہر کے نام ہیں، مجھے اس فرق کی تمیز اس وقت ہوئی جب میں کچھ بڑا ہوگیا اور مجھے عقل آگئی، اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ دونوں الگ الگ مستقل شہر ہیں اور ان کی درمیانی مسافت کچھ کم نہیں ہے۔

میں نے بچپن میں جس طرح لوگوں کو، جنت اور اس کی نعمتوں کا بڑے شوق سے ذکر کرتے ہوئے سنا، اسی طرح حجاز اور اس کے دونوں شہروں کا تذکرہ بھی سنا تھا، جنت کو حاصل کرنے اور حجاز دیکھنے کی تمنا اسی وقت سے میرے دل میں کروٹیں لینے لگی تھی۔

جب میں کچھ بڑا ہوا اور مجھے معلوم ہوا کہ جیتے جی جنت کو دیکھنا ممکن نہیں ہے ہاں حجاز تک رسائی ممکن ہے حجاج کے قافلے برابر آتے جاتے ہیں تو میں نے کہا کہ پھر ایمان کی اس جنت کی سیر کیوں نہ کی جائے، دن پر دن گزرتے گئے اور میں بڑھتا گیا۔ جب میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ اور تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا تو میرا پرانا شوق تازہ ہوگیا، تھپکی دے دے کر سلائی ہوئی تمنائیں جاگ گئیں اور میں دن و رات حج و زیارت کی تمنا میں رہنے لگا۔

پھر ایسا ہوا کہ میں اس جگہ آپہونچا جس کی زمین پر نہ تو سبزہ کا فرش ہے اور نہ اس کی گود میں ندیاں کھیلتی ہیں۔ اس کے چاروں

طرف جلے ہوئے پہاڑ کھڑے پہرہ دے رہے ہیں لیکن بقولؔ حفیظ۔

نہ اس میں گھاس اگتی ہے نہ اس میں پھول کھلتے ہیں
مگر اس سرزمیں سے آسماں بھی جھک کے ملتے ہیں

جب میں نے حسن ظاہری سے خالی یہ سرزمین دیکھی تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ شہر مناظر سے کتنا تہی دست ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ میں نے یہ بھی سوچا کہ اس شہر نے انسانیت اور تمدن پر کتنا بڑا احسان کیا ہے اگر یہ شہر جس کا دامن گلکاریوں سے خالی ہے۔ روئے زمین پر نہ ہوتا تو دنیا ایک سونے کا پنجرا ہوتی اور انسان محض قیدی! یہی وہ شہر ہے جس نے انسان کو دنیا کی تنگنائے سے نکال کر وسعتوں سے آشنا کیا، انسانیت کو اس کی کھوئی ہوئی، سرداری اور چھینی ہوئی آزادی دلائی، اسی شہر نے انسانیت پر لدے ہوئے بھاری بوجھوں کو اتارا۔ اس کے طوق و سلاسل کو جدا کیا، جو ظالم بادشاہوں اور نادان قانون سازوں نے ڈال رکھے تھے۔

جس وقت میں نے سوچا۔ اگر یہ شہر نہ ہوتا؟ اسی وقت میرے دل میں خیال آیا کہ میں دنیا کے بڑے بڑے شہروں کا اس شہر سے موازنہ کروں اور دیکھوں کہ اگر یہ شہر نہ ہوتے تو دنیا میں تمدن اور انسانیت میں کیا کمی ہوتی! .... میرے سامنے ایک ایک شہر آئے اور میں نے دیکھا کہ یہ تمام شہر مٹھی بھر انسانوں کے لئے زندہ

اور آباد تھے، انہوں نے انسانیت کے سرمایہ میں کسی بڑی چیز کا اضافہ نہیں کیا یہ مختلف زمانوں میں انسانیت اور تمدن کے مجرم رہے ہیں۔ اپنے ذرا سے فائدہ کے لئے بارہا ایک شہر نے سیکڑوں شہروں کو بے چراغ کردیا۔ ایک قوم نے بہت سی قوموں کو اپنی خوراک بنالیا، کتنی بار چند آدمیوں کی وجہ سے ہزاروں لاکھوں انسان برباد کردیئے گئے، یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا کے نقشہ پر اگر یہ شہر نہ ہوتے تو انسانیت و تمدن کا کچھ نہ بگڑتا اور دنیا میں کوئی بڑی کمی نہ ہوتی۔

لیکن اگر مکہ نہ ہوتا تو انسانیت ان معانی و حقائق، اخلاق و عقائد اور علوم و فضائل سے تہی دست ہوتی جو اس کا سب سے قیمتی سرمایہ اور اس کا سب سے بڑا حسن ہے، اسی کی بدولت دنیا نے ایمان کی اس لازوال دولت کو پھر سے پایا جسے لوگ ضائع کرچکے تھے، عالم نے اس صحیح علم کو پایا جو ظن و تخمین کے پردوں میں چھپ چکا تھا، وہ عزت دنیا کو دوبارہ ملی جو سرکشوں اور ظالموں کے ہاتھوں پامال ہوچکی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ یہاں انسانیت نے نیا جنم لیا اور تاریخ نئے سرے سے ڈھل کر نکلی۔

لیکن مجھے ہوا کیا ہے جو میں کہتا ہوں، اگر مکہ نہ ہوتا.........

اگر مکہ نہ ہوتا تو کیا ہوجاتا؟ مکہ تو اپنے خشک پہاڑوں، رتیلے ٹیلوں بلکہ خانہ کعبہ اور زمزم کے متبرک کنویں کو اپنی گود میں لئے ہوئے

چھٹی صدی مسیحی تک برابر سوتا رہا ہے۔ اور انسانیت سسکتی اور دم توڑتی رہی ہے، لیکن اس نے مدد کا کوئی ہاتھ نہ بڑھایا، مکہ اس وقت تک خشک پہاڑوں اور ریتیلے ٹیلوں سے گھرا ہوا دنیا سے الگ تھلگ اس طرح زندگی کے دن کاٹ رہا تھا۔ گویا انسانیت کے کنبوں سے اس کا کوئی جوڑ نہ تھا، دنیا کے نقشہ سے الگ تھا۔

اس لئے مجھے یہ کہنا چاہیئے کہ مکہ نہیں بلکہ مکہ کا وہ عظیم الشان فرزند اگر نہ ہوتا جس نے تاریخ کے رخ کو بدل دیا، زندگی کے دھارے کو موڑ دیا۔ اور دنیا کو ایک نیا راستہ دکھایا۔ تو دنیا کا یہ نقشہ نہ ہوتا۔

یہ سوچتے سوچتے میری آنکھوں کے سامنے چند مناظر پھر گئے، مجھے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے قریش کا سردار تن تنہا خانہ کعبہ کا طواف کررہا ہے، لوگ اس کا مذاق اڑا رہے ہیں اس سے بدزبانی کررہے ہیں۔ لیکن وہ انتہائی اطمینان کے ساتھ طواف کررہا ہے۔

جب وہ طواف ختم کرتا ہے تو خانہ کعبہ میں داخل ہونا چاہتا ہے لیکن خانہ کعبہ کے کلید بردار عثمان بن طلحہ اسے سختی سے روکتے ہیں، سردار صبر سے کام لیتا ہے اور کہتا ہے ”عثمان! وہ دن بھی کیا ہوگا، جب یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جسے چاہوں گا اسے دوں گا؟ .... عثمان کہتے ہیں“ اس دن کیا قریش ختم ہوچکے ہوں

گے؟ ....! وہ جواب دیتا ہے "نہیں بلکہ اس دن انہیں حقیقی عزت ملے گی۔"

پھر میں نے دیکھا کہ وہی سردار فتح مکہ کے دن خانہ کعبہ کا طواف کررہا ہے اس کے وہ ساتھی جنہوں نے اپنے کو ....، اس پر قربان کردیا تھا اس کے ارد گرد پروانہ وار جمع ہورہے ہیں، اس وقت وہ کعبہ کے کلید بردار کو بلاتا ہے اور کہتا ہے "عثمان! لو یہ تمہاری کنجی ہے، آج کا دن نیکی اور ایفائے عہد کا دن ہے۔"

تاریخ شاہد ہے کہ وہ شخص صرف اس کنجی کا مالک نہیں ہوا جس سے وہ خانہ کعبہ کے دروازہ کو کھول سکتا تھا بلکہ اس کے پاس وہ کنجی بھی تھی جس سے وہ انسانیت کے ان تالوں کو بھی کھول سکتا تھا۔ جو کسی حکیم اور فلسفی سے اس وقت تک نہیں کھل سکے تھے۔ یہ کنجی قرآن کریم ہے جو اس پر نازل کیا گیا رسالت ہے جو اسے سونپی گئی جو انسانیت کی ساری گتھیوں کو سلجھا سکتی ہے اور ہر زمانہ کی مشکلات کا حل پیش کرسکتی ہے۔

حج کے بعد میں اپنے شوق کے پروں پر اڑتا ہوا مدینہ منورہ کی طرف چلا محبت اور وفا کی کشش مجھے مدینہ منورہ کی طرف بے ساختہ کھینچ رہی تھی راستہ کی زحمتوں کو میں رحمت سمجھ رہا تھا اور میری نگاہ کے سامنے اس پہلے مسافر کا نقشہ گھوم رہا تھا جس کا ناقہ اسی راستہ

سے گیا تھا اور اس نے اس راستہ کو اپنی برکتوں سے بھر دیا تھا۔

جب میں مدینہ منورہ پہونچا تو سب سے پہلے میں نے مسجد نبوی میں دو رکعت نماز ادا کی اور سعادت کے نصیب ہونے پر اللہ کا شکر ادا کیا، پھر میں آپ ﷺ کے سامنے حاضر ہوا، میں آپ ﷺ کے ان احسانات کے نیچے دبا ہوا تھا، جن سے عہدہ برآ ہونا ممکن نہیں، میں نے آپ ﷺ پر درود و سلام پڑھا اور گواہی دی کہ بیشک آپ ﷺ نے اللہ کا پیغام کماحقہ، پہونچا دیا۔ اللہ تعالی کی طرف سے سونپی ہوئی امانت کو پورا پورا ادا کردیا امت کو سیدھی راہ دکھائی اور اللہ کی راہ میں دم واپسیں تک پوری پوری کوشش کی، اس کے بعد میں آپ ﷺ کے دونوں محترم دوستوں کو سلام کیا۔ یہ دونوں ایسے دوست ہیں جن سے بڑھ کر مصاحبت کا حق ادا کرنے والا تاریخ انسانی میں نظر نہیں آتا اور نہ کوئی ایسا جانشین دکھائی دیتا ہے جس نے ان سے زیادہ اچھی طرح جانشینی کے فرائض کو ادا کیا ہو۔

درودو سلام سے فارغ ہو کر میں جنت البقیع کی طرف گیا، یہ زمین کا ایک چھوٹا سا قطعہ ہے. جہاں صدق و صفا، مہر و وفا کا انمول خزانہ دفن ہے ؎

دفن ہوگا نہ کہیں ایسا خزانہ ہرگز

یہیں وہ لوگ سو رہے ہیں جنھوں نے آخرت کے لئے دنیا کی

زندگی کو تج دیا، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے یقین اور اپنے دین کی خاطر وطن پر غریب الوطنی کو ترجیح دی انہوں نے رسول ﷺ کے قدموں پر پڑے رہنے کے لئے رشتہ داروں اور دوست احباب کے پڑوس کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہا۔

رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ

"بعض لوگ ایسے ہیں، جنہوں نے اللہ سے جو عہد کیا اسے سچ کر دکھایا"۔

یہاں سے فارغ ہو کر میں اُحد کی طرف گیا، اُحد وہ پاک اور دلکش سرزمین ہے، جہاں محبت و وفاداری کا سب سے دلکش منظر دیکھنے میں آیا اسی میدان میں انسانی تاریخ نے ایمان و یقین کو جیتے جاگتے کرداروں کی شکل میں دیکھا یہیں سے بہادری اور شجاعت کے الفاظ لغت کو میسر ہوئے اسی خطہ نے پاک محبت اور نادر دوستی کا نمونہ دنیا کو دکھایا۔ یہاں پہنچ کر مجھے ایسا محسوس ہوا۔ جیسے میں انس بن نضر رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سن رہا ہوں۔ "مجھے احد پہاڑ کے اسی طرف سے جنت کو خوشبو آ رہی ہے۔" مجھے کچھ ایسا محسوس ہوا جیسے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر شہادت سن کر کہہ رہے ہوں .... "اب آپ کے بعد جنگ و جہاد کا کیا لطف؟ ...." اور انسؓ بول اٹھے ہوں۔ "لیکن آپ کے بعد زندگی کا بھی کیا مزا؟ ...."